مقالات

"صبح سمرقند"

(از جناب جیلانی صاحب بی اے)

یہ مفید مضمون کوئی مستقل مقالہ نہیں ہے، بلکہ اشتراکیت کی عملی تاریخ سے بحث کرنیوالی ایک تازہ کتاب "صبح سمرقند" (Dawn over Samarkand) کی ایک تلخیص ہے۔ پورے مضمون میں جابجا اس کتاب کی عبارتیں درج ہیں مگر از اول تا آخر مرتب مضمون نے کتاب کا نام کہیں نہیں لکھا۔ اسی کتاب کے عنوان کو اس مضمون کا عنوان بنانے کے لیے مستعار لے لیا گیا ہے۔

اصل کتاب کا مصنف اشتراکیت کا مخالف نہیں کہ اس کی تحریریں کوئی اشتراکی سرمایہ دارانہ پروپگنڈہ کی بو محسوس کر سکے، نہ یہ کسی ایسے نیم حامی اشتراکیت کی تحریر ہے جو اشتراکیت کی تبلیغ کے لیے مصنوعی طور پر ایک منصف مزاج ناقد بنتا ہے اور بہت سی خوبیوں کے ساتھ دو چار کوتاہیاں بھی بیان کر دیتا ہے، بلکہ یہ ایک سچے مومن اشتراکیت امریکی زادہ یہودی جوشا کیونٹز (Joshua Kunitz) کا نتیجہ کاوش ہے جو اشتراکیت کے کارناموں کو فخریہ بیان کرتے ہوئے بعض ایسی حقیقتوں کو فاش کر گیا ہے جن کے مطالعہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اشتراکی نظام کی کالی رات" جب کسی دیس پر اپنا دامن پھیلاتی ہے تو اس کے کارندے کس طرح کے فن تاخت سے کام لیتے ہیں۔ محض "سرخ نظریات" کو کتابوں میں دیکھ کر متاثر ہو جانے والوں کو ان نظریات کی عملی تعبیر سے بھی آگاہ ہونا چاہیے اور درحقیقت یہ عملی تعبیر ہی نظریات کی صحیح قدر و قیمت متعین کرتی ہے۔

خصوصیت سے اس مضمون کو ہم اپنے دیندار علماء کی خدمت میں پیش کرنا چاہتے ہیں، تاکہ انھیں یہ معلوم ہو جائے کہ زمانہ حال کی اسلام کی سب سے بڑی حریف قوت کس چابکدستی سے ایک مسلمان ملک کو نگل جاتی ہے اور کس طرح اس ملک کے علماء الحاد کے سیلاب کے سامنے اس وقت تک پڑے سوتے رہتے ہیں جب تک کہ موجیں ان کے سروں سے نہیں گزر جاتیں اور اس کے بعد ان کا چونکنا کوئی نتیجہ پیدا نہیں کر سکتا۔ ہم صدق دل سے یہ چاہتے ہیں کہ جن دلوں میں نظام اسلامی کے لیے سچا جذبۂ وفاداری موجود ہے وہ کل کا انتظار نہ کریں اور آج ہی اپنی قوتوں کو منظم کر کے نظام اسلامی کو برپا کرنے میں لگ جائیں ورنہ قضا کا فیصلہ صادر ہو جانے کے بعد حالات کا رخ بدلنے کی طاقت کس میں ہے! میدان ہار کر لڑنے کی تیاری کرنے کی عادت اب چھوڑ دیجیے اور دنیا پرستی کے ہنگاموں سے الگ ہو کر دین کو غالب کرنے کی جد وجہد کیجیے!

ایشیائے وسطیٰ میں جدیدیت (Modernism) کی پہلی رو ۱۹۰۵ء میں محسوس کی گئی۔ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب کہ روس جاپان سے برسرپیکار تھا اور اندرون ملک زار کی استبدادی حکومت ایک نئے انقلاب کو جنم دے رہی تھی۔ جدیدیت کے جراثیم لانے والے دراصل والگا کریمیا اور کاکیشیا کے وہ تاتار تھے جو ایشیائے وسطیٰ اور روس کے مسلمانوں کے درمیان بیچ کی کڑی کا کام دے رہے تھے، جدیدیت

ابتدا میں محض ایک قانونی اور ثقافتی تحریک کی حیثیت رکھتی تھی جو دنیوی تعلیم اور چند ایک انتظامی اصلاحات کے لیے کھڑی ہوئی تھی۔ روس کے انقلابیوں سے متاثر ہو کر اس نے آہستہ آہستہ اپنے بال و پر نکالنے شروع کیے، پھر قدم بڑھا کر سیاست میں بھی دخیل ہو گئی۔ جدیدیت کے علمبرداروں کا نصب العین اس جمہوری حکومت کے تخیل سے بہت ملتا جلتا ہوا تھا جو اس زمانہ میں ترکی نوجوانوں کے دماغوں میں پرورش پا رہا تھا یہ تحریک چونکہ مذہب سے کوئی علاقہ نہ رکھتی تھی اس وجہ سے اس سے ملحدانہ بو پا کر امیر بخارا نے اس کو دبانے کی کوشش کی۔ تاہم چند درس گاہیں امیر کی داروگیر سے بچ رہیں اور انھوں نے جدید نصاب تعلیم کو قبول کر لیا۔ ۱۹۱۷ء کے روسی انقلاب کے ساتھ جدیدیت پھر پھوٹ نکلی۔ اور اس کے علمبرداروں نے تعلیم جدید کے لیے از سر نو مطالبات پیش کرنے شروع کر دیے۔ روسی بالشویک، جو اس تحریک کے اصلی بانی تھے، اس وقت اندرونی بناوتوں کے سدباب میں مشغول تھے اس وجہ سے ان کی کچھ زیادہ مدد نہ کر سکے۔ دوسری طرف روسی سفیر نے، جو دراصل زار کا فرستادہ تھا، قدرتی طور پر ان انقلاب پسندوں کی مخالفت اور امیر کی مدد کی۔ بس یہیں سے کشمکش کا ظہور ہوتا ہے۔

ہر طرف سے جدید اصلاحات کا مطالبہ ہونے لگا جس سے متاثر ہو کر امیر نے اصلاحات کا ایک منشور شائع کیا جس میں اس نے نئی اصلاحات اور جدید تعلیم کا وعدہ کیا۔ یہ وعدۂ فردا ایک سنجیدہ مذاق تصور کیا گیا اور انقلابیوں نے اپنی آواز پھر بلند کی۔ اب کے امیر نے انھیں سختی سے دبایا اور ان کے ایک لیڈر، مرزا نصر اللہ کو ایک سو پچاس کوڑے لگوائے جس کی تاب وہ نہ لا سکا اور اسی صدمہ سے مر گیا۔ اس کی موت گویا تودۂ بارود کو آگ دکھانا تھی۔ بہت جلد ہی مرزا کی موت نے ایک انقلابی احتجاج کا ہنگامہ برپا کر دیا۔ جا بجا ہنگامے اور بلوے شروع ہو گئے اور سربازار انقلابی نعروں کی صدائیں سننے میں آنے لگیں۔ بالآخر امیر اور روسی سفیر نے سربرآوردہ رئیسوں کو بلا کر ان سے بالمشافہ گفتگو کی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جدید پارٹی کے اندر ایک نئی پارٹی نوجوان بخارا کے نام سے بنائی گئی جس کا مقصد یہ تھا کہ حکومت کے لیے حزب مخالف کا کام دے۔ اس نے باقاعدہ حکومت کے کاروبار میں حصہ لینا شروع کر دیا۔ اس پارٹی کا ایک باضابطہ لائحہ عمل تھا جس کے ماتحت اس نے سپاہیوں پھر مزدوروں میں کام کرنا شروع کر دیا اور امیر کے خلاف زیادہ سے زیادہ مواد بہم پہنچانے لگی۔

انہی ایام میں روسی انقلاب اپنے پایۂ تکمیل کو پہنچ رہا تھا۔ اور آئے دن بالشویکوں کی فتوحات کی خبریں

سننے میں آ رہی تھیں، لیکن ان میں سے کوئی خبر بھی امیر اور دوسرے لیڈروں کو اپنی طرف متوجہ نہ کر سکی۔ وہ اسے مجذوب کی بڑ تصور کرتے رہے۔ لینن کے متعلق یہ افواہ گرم تھی کہ وہ مجنون اور جرمنوں کا معتمد تھا! کمال انقلاب کے دو دن بعد ایک اعلان بعنوان "روس اور مشرق کے بسنے والے مسلمانوں کے نام" موصول ہوا جس کے نیچے لینن اور سٹالن کے دستخط تھے۔ اس میں انھوں نے ان تمام قبائل کو خطاب کیا تھا جن کی مساجد معابد اور مراسم زار روس کے استبداد کی نذر ہو چکے تھے۔" اس اعلان میں انھوں نے ان مصیبت زدوں کو خوشخبری سنائی تھی کہ اب وہ اپنے مذہب کی پابندی اور مراسم بجا لانے میں بالکل آزاد ہوں گے۔

امیر کی ہمدردی اور حمایت زار نکولس ثانی کے ساتھ تھی کیونکہ اس کے قبل امیر عالم خاں اور زار کے تعلقات نہایت خوشگوار اور دوستانہ تھے۔ اندرونِ ملک جو پارٹی اودھم مچا رہی تھی اس کو بالشویکوں کی مدد حاصل تھی اس وجہ سے امیر عالم خاں نے ان کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے کے لیے کمر ہمت باندھی۔ امیر نے خفیہ طور پر مجلس شوریٰ بلائی اور ان کے سامنے بالشویکی خطرہ کی وضاحت کی اور اس خطرہ کو دفع کرنے کی ان سے رائیں طلب کیں۔

ایک طرف یہ ہو رہا تھا، دوسری طرف خود سیاسی جماعتوں کے اندر لینن کے "قومی استقلال" کے اعلان پر ایک ناچاقی سی پیدا ہو گئی۔ قومی استقلال کا مفہوم کچھ غیر واضح اور مبہم سا تھا۔ جونہی اس کے معنی کھلے "جدید پارٹی" "نوجوانان بخارا پارٹی" سے الگ ہو گئی۔ قومی استقلال کا مفہوم لینن کے الفاظ میں یہ تھا:

"خود اختیاری (Self detrmination) سے ہمارا اشارہ اس حق کی طرف ہے جس کی رو سے ایک قوم غیر ملکی قومی مجموعے سے الگ ہو سکتی ہے۔ یعنی اس کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنی الگ آزاد قومی ریاست تعمیر کرے۔"

اسی مفہوم کو سٹالن نے اور زیادہ واضح کر دیا ہے:

"اشتراکی جمہوریت تمام ممالک کو خود اختیاری اور استقلال کا پیغام سنا رہی ہے ـــــ کسی قوم کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ دوسری قوم کے معاملات میں دخل اندازی کرے۔ اس کے تعلیمی اداروں اور دوسری انجمنوں کو برباد کرے، اس کے مراسم آبائی اور رواجوں کو توڑے یا اس کے حقوق تلف کرے۔"

(مارکسزم اور قومی سوال)

ان سب اعلانوں اور بیانوں کے پس پردہ دراصل جو مقصد تھا وہ بورژوا حکومتوں میں انقلاب اور بدامنی پھیلانا تھا۔ اس افتراق میں ایک ائتلاف مضمر تھا۔ استقلال کے معنی اصل میں دوسروں سے ٹوٹ کر روس سے مل جانا تھا۔ کمیونسٹ مینی فسٹو میں مارکس اور اینگلز انقلاب کی اس ترتیب کو لکھتے ہیں:

"ہر ملک کے پرولتاریہ (مزدور طبقہ) کو چاہیے کہ وہ اپنے ملک کے اندر بورژوا (امیر طبقہ) سے اپنے حساب کتاب اور دیگر تمام معاملات طے کرلیں۔ اس کے بعد وہ سیاسی قوت کو ہاتھ میں لینے کی سعی کریں حتیٰ کہ وہ ایک جماعت بن جائیں۔ پھر تو وہ ایک قوم ہوں گے۔"

یہ مفہوم تھا جس کو جدید پارٹی نے جلد ہی تاڑ لیا۔ وہ اگرچہ امیر کو تخت سمیت ملک بدر کرنا چاہتے تھے لیکن بالشویکی تسلط پر راضی نہ تھے۔ وہ ملک میں ایک جمہوری قسم کی ریاست بنانا چاہتے تھے جو صحیح معنوں میں ملکی اور قومی ہو۔ اس کے برعکس "نوجوانان بخارا پارٹی" ایک انتہا پسند جماعت تھی جو بالشویکی انقلاب کی پوری پوری مؤید تھی۔ اس کا نصب العین وہی تھا جو بالشویکوں کا تھا۔ بالشویکوں کی فتنہ پردازی کا قدرتی ردعمل یہ تھا کہ امیر عالم خاں برطانیہ سے مدد طلب کرتا، چنانچہ اس نے برطانیہ کو دعوت دی اور برطانیہ، جو پہلے روزہی سے حالات کا وقت نظر کے ساتھ مطالعہ کر رہا تھا، فوراً راضی ہوگیا۔

بین القومی سیاست میں برطانیہ کی سوداگری اور چالبازی تمام چھوٹے چھوٹے ممالک کو اپنے جالے میں جکڑ رہی تھی۔ اور جب تک جاپان نے اس منزل میں قدم نہ رکھا تھا مشرق میں اس کا حریف ایک روس ہی تھا۔ کاکیشیا کے تیل کے چشمے اور ایشیائے وسطیٰ کے سیم وزر کے ذخیرے برطانیہ کے حرص و آز کو بھڑکا رہے تھے۔ دوسری طرف روس بھی اپنا دام تزویر مضبوط طور پر بن رہا تھا اور دونوں عظیم الشان مملکتیں نبرد آزمائی کے لیے میدان میں اتر رہی تھیں۔ جب برطانیہ افریقہ میں بوئروں کے ساتھ الجھا ہوا تھا، روس نے تبت اور ایران پر اپنا دست شفقت پھیرنا شروع کر دیا اور جب روس جاپان کے ساتھ سرحدی جنگ لڑنے میں مصروف تھا تو برطانیہ نے بھی اپنا پانسہ پھینک دیا۔ ابھی یہ آنکھ مچولی ختم نہ ہونے پائی تھی کہ عالمگیر جنگ کی گھٹا امڈ آئی اور مشترک دشمنی نے دونوں ملکوں کو جوڑ دیا۔

لیکن معاملات کی باگ ڈور جونہی بالشویکوں کے ہاتھ میں آئی انھوں نے "قومی استقلال" کا اعلان

کر دیا اور جنگ عالمگیر سے دست کش ہو گئے۔ انھوں نے ایران کے علاقے اس کو واپس کر دیے اور ترکی کا استنبول پر قبضہ تسلیم کر لیا۔ ایشیا میں تیس لاکھ مسلمان اور دیگر اقوام بس رہی تھیں انھیں خود اختیاری حکومت کا وعدہ دیا۔ زار روس کا ہر غصب کردہ مال انھوں نے بلا چون وچرا واپس کر دیا۔ ظاہر ہے کہ ایسا سلوک کیا ثمر لاتا! برطانیہ کے کان کھڑے ہو گئے اور سب نے منطقی طور پر محسوس کر لیا کہ ایشیائے وسطی کی جنگ میں برطانیہ بالشویکوں کے خلاف صف اول میں کھڑا ہو گا۔

اسی عرصہ میں "نوجوانان بخارا پارٹی" نے ترکستان کی سوویٹ کمسرز (Commissers) کے ساتھ سازباز شروع کر دی۔ سوویٹ کمسرز کے صدر کوبی سف نے اسلحہ اور آدمیوں سے اس کی مدد کا وعدہ کیا۔ اب نوجوانان بخارا پارٹی نے بغاوت برپا کرنے کے لیے سرگرم مساعی شروع کر دیں اور سیاسی قوت کو ہاتھ میں لینے کے لیے انھوں نے سر دھڑ کی بازی لگا دی۔ لیکن شومی قسمت سے انھیں معہود مدد نہ مل سکی اور ان کی محنت سے تیار کی ہوئی عمارت پھر ڈھے گئی۔ عین اس وقت جبکہ کوبی سف کی فوجیں بخارا کی طرف کوچ کرنے والی تھیں دو ناگہانی حادثے ظہور میں آئے۔ اور وہ حادثے ایسے تھے کہ خود کوبی سف اور ترکستانی سوویٹ کا وجود معرض خطر میں پڑ گیا۔ ایک تو مرکزی حکومت ماسکو سے تعلقات کا انتزاع دوسرے کوکند میں غیر بالشویک حکومت کا قیام۔ واقعہ یہ ہوا کہ زار روس کے حامی سائبیریا کے کوسکوں کے ساتھ مل گئے۔ کوسکوں نے اسلحہ اور آدمی بہم پہنچا کر ڈیوٹوف (زار کا حامی جرنیل) کی سرکردگی میں ماسکو سے تاشقند جانے والی سڑک پر قبضہ جما لیا۔ جس کی وجہ سے ترکستان اور ماسکو کے درمیان وسائل رسل ورسائل بالکل قطع ہو گئے۔ ترکستان کی حالت اس کی وجہ سے بڑی زبوں ہو گئی۔ قحط کے آثار نمودار ہونے لگے اور بالشویکوں میں ایک بددلی سی پیدا ہو گئی۔

ادھر کوکند والوں نے جو دیکھا کہ بالشویک اس الجھن میں گرفتار ہیں، انھوں نے فوراً مجتمع ہو کر ایک مقامی جمہوری ریاست کے قیام کا اعلان کر دیا۔ مسلمانوں نے نہایت سرگرمی کے ساتھ بالشویکی خطرہ کا احساس دلانا شروع کر دیا۔ انھوں نے بڑی محنت سے روپیہ فراہم کر کے اپنی ایک فوج بھی بنالی اور اپنے آپ کو زیادہ مضبوط کرنے اور باہمی نزاع کے تمام رخنے بند کرنے کے لیے کوکند کی حکومت نے

"عمال مسلمین" کی ایک موتمر بھی منعقد کی۔ انھوں نے ڈیوٹوف سے مدد طلب کی اور اس نے اپنے کوسک ڈویژنوں کو ان کی مدد کے لیے بھیج دیا۔ کوکند کے بالشویکوں کا ماتھا ٹھنکا۔ انھوں نے خفیہ طریقوں سے کوکند کی حکومت کو الٹنے کی کوشش کی۔ پولٹراسکی نامی ایک بالشویک کوکند اسٹیٹ بنک کا تمام روپیہ لے اڑا۔ اس نازک وقت میں علماء آگے بڑھے اور انھوں نے حکومت کی زمام کار اپنے ہاتھ میں لے لی۔ جونہی علماء برسر اقتدار ہوئے بالشویکوں نے چپکے چپکے اندرونی اختلافات کو ہوا دینی شروع کر دی۔ حکومت وقت نے کئی ایک گرفتاریاں کیں۔ اور علماء وقت نے جہاد کا حکم دیدیا۔

"علماء نے بالشویکوں کے خلاف مقدس جنگ کا حکم جاری کر دیا۔ انھوں نے بڑے زور شور کے ساتھ گلیوں، بازاروں اور مسجدوں میں ان کے خلاف پروپیگنڈا شروع کر دیا۔

ہجوم نے انتہائی غیظ و جوش میں آکر بالشویکوں کے قلعہ کوکن پر ہلہ بول دیا۔ مسلمانوں کے ہاتھوں میں چاقو، چھرے، لاٹھیاں اور بندوقیں تھیں۔ بالشویکوں نے کوبی سف سے استمداد کی۔ اس کی فوجیں اسی روز ان کی مدد کے لیے پہنچ گئیں۔ اور لڑائی باقاعدہ شروع ہو گئی۔ کوکند کی حکومت کوکند میں محصور ہو گئی۔ کوبی سف نے شہر حوالہ کرنے اور ہتھیار ڈالنے کا مطالبہ کیا جو محصورین کی طرف سے نامنظور کر دیا گیا۔ سخت محاربہ کے بعد کوکند کی حکومت کو سر تسلیم خم کرنا پڑا۔ اس طرح مسلمانوں کے سنبھالے کی یہ کوشش بھی رائگاں گئی۔ تمام علماء اردگرد کے علاقے میں پھیل گئے۔ اور انہدام کے باوجود مسلمانوں کے ٹمٹماتے ہوئے ایمان کو اگر کسی نے کچھ وقت کے لیے بچایا تو وہ یہی علماء تھے۔ انھوں نے اپنی دینی ٹولیاں بنائیں اور گوریلا جنگ جاری کر دی۔

ادھر کوکند حکومت ختم ہوئی ادھر انقلابیوں کے حوصلے بڑھ گئے۔ اور کوبی سف نے اپنی عنان توجہ بخارا کی طرف موڑ دی۔ کوکند کے بعد مسلمانوں کا سب سے بڑا دینی مرکز تھا۔ یہ امیر کا دارالخلافہ بھی تھا اور انگریزوں کی جائے گرد آوری بھی۔ امیر بخارا نے فوراً مشہد (ایران) میں مقیم برطانوی سفیر سے سازباز شروع کر دی۔ فتح کے نشے میں کوبی سف امیر کی قوت کو خاطر میں نہ لاتا تھا۔ اس نے ایک الٹی میٹم امیر بخارا کے نام بھیجا جس میں اس نے طرز حکومت میں فوری اصلاح و ترمیم کا مطالبہ کیا۔ اس الٹی میٹم کے نیچے

کولی سف اور فیض اللہ خذیو صدر نوجوانان بخارا پارٹی کے دستخط تھے۔ امیر نے جواب دینے میں توقف کیا۔ کولی سف نے انتظار کرنے سے انکار کر دیا اور ساتھ ہی اپنی فوجوں کو بخارا کا محاصرہ کر لینے کا حکم دیا۔ لیکن جس شجاعت اور مردانگی کا ثبوت مسلمانوں نے دیا اس کا حال خود فیض اللہ کی زبانی سنیے:

"قدامت کے مجنون فدائی ملا اپنی بے سروسامانی کے باوجود نہایت دلیری کے ساتھ لڑے۔ ان کے ہاتھوں میں صرف چاقو، کلہاڑے اور زنگ آلود تلواریں تھیں۔ میں نے خود اپنی آنکھوں سے ایک مسلمان کو دیکھا جس کے ہاتھ میں ایک سونٹا تھا، دانتوں میں تلوار دبائے وہ بے جھجک مشین گن کی طرف بڑھا اور ایک مشین گن چلانے والے کو مار دیا۔"

بڑے زور کا رن پڑا۔ بالآخر صلح ہو گئی۔ امیر بخارا نے جدید اصلاحات دینے کا وعدہ کیا اور کولی سف نے اپنی افواج کو شہر لوگن کی طرف لوٹ جانے کا حکم دیدیا۔

اب انقلابیوں نے امیر بخارا کی حکومت الٹ دینے کے لیے ایک اور چال چلی۔ چند دن کی خاموشی کے بعد کولی سف اور نوجوانان بخارا پارٹی نے امیر سے اپنی فوج کو غیر مسلح کر دینے کا مطالبہ کر دیا۔ امیر نے کسی قدر تامل کے بعد جواب دیا کہ اس قسم کے مطالبات موزوں نہیں لہٰذا انھیں ایسے مطالبوں سے دست کش ہونا چاہیے۔ لیکن کولی سف نے پھر دباؤ ڈالنا شروع کر دیا۔ امیر نے تین دن کی مہلت مانگی۔ کولی سف نے میعاد گھٹا کر آٹھ پہر کر دی۔ میعاد مقررہ کے ختم پر کولی سف نے ایک وفد بھیجا جو اپنے سامنے فوجوں کے ہتھیار رکھوا لے۔ امیر بخارا نے اس مدت سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور اپنی تمام فوجوں کو منظم کر لیا۔ اور جونہی وفد شہر میں داخل ہوا انھیں فوراً گرفتار کر لیا گیا۔ مسلمانوں نے پورے جوش و خروش کے ساتھ بالشوکیوں کی قلعی کھولنی شروع کر دی۔ انھوں نے بلند میناروں پر چڑھ کر ایمان و اسلام اور ملک و قوم کو بچانے کی پکار بلند کی۔ کولی سف اپنی فوجوں سمیت آیا اور بخارا کا محاصرہ کر لیا۔ چوبیس گھنٹے تک گولہ باری ہوتی رہی لیکن خدا کی قدرت دیکھیے کہ ایک گولہ بھی شہر پر نہ گرا۔ کولی سف کے بارود کا ذخیرہ ختم ہو گیا اور وہ پسپائی پر مجبور ہو گیا۔

بالشوکیوں کی مسلمانوں کو تباہ کرنے کی پہلی کوشش کا یہ انجام ہوا۔

بخارا کی "اسلامی زندگی" چند دن اور باقی تھی۔ انگریزوں نے ایران کی طرف سے بالشویکوں کے خلاف محاذ بنانا شروع کر دیا۔ اور ترکمانستان کے ایک شہر اشک آباد میں بھی ایک بالشویکی دشمن حکومت قائم ہوگئی انھوں نے بڑی سختی کے ساتھ بالشویکوں کے خلاف اپنی سرگرمیاں جاری کردیں۔ اور کئی ایک سربرآوردہ بالشویکی لیڈروں کو قتل بھی کر دیا۔

اس موقعہ پر ترکستانی بالشویکوں کی حالت نہایت پریاس تھی۔ ایک طرف ڈیوٹوف زار کا جرنیل اپنی ترکتازیوں سے ان کی جان کے درپے تھا۔ دوسری طرف اشک آباد کی حکومت ترکمانستان میں ان کا جینا دشوار کر رہی تھی۔ تنگ آکر بالشویکوں نے صلح کا ایک وفد بھیجا۔ لیکن نتیجہ برعکس ہوا۔ اشک آباد کی حکومت نے وفد کے صدر کو قتل کر دیا اور ارکان وفد کو قید خانہ میں ڈال دیا۔

بالشویکوں پر روز بروز عرصہ حیات تنگ ہوتا جا رہا تھا۔ ڈیوٹوف ایک کارک کی صورت میں وسطی ایشیا کی بوتل کے منہ پر ڈٹا ہوا تھا اور گندم کا ایک دانہ بھی اندر نہ پہنچنے دیتا تھا۔ کوکند کی حکومت کے وہ مسلمان جنھوں نے ملک و قوم اور اسلام کے لیے اپنی کمر ہمت باندھ کر گوریلا جنگ کا طریقہ اختیار کر لیا تھا، اب از سر نو تازہ دم ہو گئے۔ بالشویکوں کا ایک خاص ہتھیار یہ ہے کہ جب وہ کسی کو بدنام کرنا چاہتے ہیں تو اس کے نام کے ساتھ بورژوا اور ملا کی چسپاں کر دیتے ہیں، اگرچہ وہ بیچارہ فاقوں ہی مر رہا ہو۔ گوریلا گروہوں کو بھی انھوں نے اسی نام کے ساتھ بدنام کرنا شروع کر دیا، بایں ہمہ دبی زبان سے انھیں ان کی اسلامی حمیت کا جوش تسلیم کرنا پڑا:

"بے شک ترکستان کی قومی حریت کی تحریک کے اندر وحدت اسلامیہ کا جذبہ بھی سرگرم کار تھا۔" (ص۳)

نومبر ۱۹۱۸ء میں انگریزوں کا ایک تجارتی وفد کرنیل بیلی کی سرکردگی میں ایشیائے وسطیٰ میں پہنچا اور کپاس کا سودا کرنے کے بہانے انھوں نے تمام صورت حالات کا مطالعہ کیا۔ انھوں نے بالشویکی خطرہ کو سونگھ لیا۔ چنانچہ اس وفد کی رپورٹ میں مسٹر ایتھرٹن لکھتے ہیں کہ "بالشویکوں کے یہ خیالات (Ideas) جنکو لیے ہوئے وہ بڑھ رہے ہیں، زار کی تمام فوجوں سے زیادہ خطرناک ہیں۔" اس کے بعد تاشقند کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"یہاں بالشویکوں نے ایک تبلیغی مرکز کھول رکھا ہے جہاں سے مبلغ تیار کر کے ہندوستان، افغانستان اور چینی ترکستان میں بھیجنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اس طرح وہ چاہتے ہیں کہ بالشویکی مذہب شرق اقصیٰ تک پھیل جائے۔"

واقعات کی یہ تمام کروٹیں بالشویکوں کے لیے رنج والم کے پیغام لا رہی تھیں۔ اس کے باوجود بالشویکی کارکن اور نوجوانانِ بخارا اپنی تبلیغ واشاعت میں کوشاں رہے اور دامن صبر کو ہاتھ سے نہ دیا۔ حسن اتفاق دیکھیے کہ تقدیر نے ایک اور پانسہ پھینک دیا۔ افغانستان نے انگریزوں پر حملہ کر دیا۔ انگریزوں نے ایشیائے وسطی کی تمام سرگرمیوں کو یک قلم ترک کر کے اپنی فوجوں کو ہندوستان کی سرحدوں کی طرف منتقل کر دیا۔ ۱۳ ستمبر کو سرخ فوجوں نے ڈیوٹوف کی فوجوں پر ایک جان توڑ حملہ کر دیا۔ ڈیوٹوف کی فوجیں حملے کی تاب نہ لا کر پیچھے ہٹ گئیں اور ماسکو اور ترکستان کا درمیانی دروازہ بھی کھل گیا۔

امیر عالم خاں انتہائی گھبراہٹ کی حالت میں اردگرد دیکھنے لگا۔ اس نے گوریلا گروہوں کو نئی ترکتازیوں پر ابھارا۔ افغانستان میں امان اللہ خاں کو تحائف بھیجے اور دونوں ملکوں کے درمیان وفود کا تانتا لگ گیا۔ امان اللہ خاں اگرچہ اس ہنگامہ سے فائدہ اٹھا کر اور امیر بخارا کی مدد کر کے وحدت اسلامیہ کا خواب شرمندۂ تعبیر دیکھنا چاہتا تھا، تاہم بالشویکوں کی دشمنی مول لینے میں وہ بھی بہت محتاط تھا۔ اس کی اس ہچکچاہٹ کو دیکھ کر امیر عالم خاں اس سے ناامید ہو گیا۔

اب سرخ فوجوں نے بخارا کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ اور ان کی رہنمائی وہ لوگ کر رہے تھے جو مسلمان کہلاتے تھے۔ خیوا (خارزم) جو مسلمانوں کا نیا مرکز بنتا جا رہا تھا، مقابلے کے لیے اٹھا لیکن اس کو منہ کی کھانی پڑی۔ بالشویکی جس طرف رخ کرنا چاہتے ان کے کارندے اس زمین کو پہلے ہموار کر لیتے۔ اور جونہی ان کی فوجیں دندناتی ہوئی داخل ہوتیں تمام علاقہ سرنگوں ہو جاتا۔ یہ تسخیر کی سب سے انوکھی طرز تھی۔ یہی چال تھی جس کے متعلق مسٹر ایتھرٹن نے اشارہ کیا تھا کہ بالشویکوں کے خیالات زار کی تمام فوجوں سے زیادہ خطرناک ہیں۔ یکے بعد دیگرے کئی شہر خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر بالشویکوں کے ہتھے چڑھ گئے۔ بالشویکی ایجنٹ اس سرعت اور تندہی سے تبلیغ واشاعت میں مصروف کہ ان پڑھ سے ان پڑھ اور جاہل سے جاہل کی زبان

پر بھی کمیونزم۔ مارکس اور لینن کے نام چڑھ گئے۔

بالشویکی اب بخارا کی طرف ناک اٹھائے بڑھتے آرہے تھے۔ یہی ایک جگہ تھی جہاں انھیں مقابلہ درپیش تھا۔ حملے سے پہلے انھوں نے عوام کے قلوب پر چھاپا مارنا چاہا۔ روس سے ایک کمیشن ترکستان پہنچا جو عوام کی معاشی اور زرعی حالت پر غور کرے گا۔ انھوں نے ہر ممکن ذریعہ سے کسانوں کی مدد کی۔ انھیں بہترین آلات زراعت بہم پہنچائے اور ان کے آرام اور سہولت کی ہر بات کا خاص خیال رکھا۔ ترکستان کے نواح میں رہنے والے کسان فاقوں مر رہے تھے اور مدت سے انھوں نے لکڑی کے ہل کے سوا اور کوئی آلۂ زراعت ہی نہ دیکھا تھا۔ جب انھوں نے اپنے ہمسایہ کسانوں کو ایسا کامیاب اور مرفہ الحال پایا تو انھوں نے اپنی آبائی زمینیں چھوڑ ترکستان کی طرف ہجرت شروع کر دی۔ بالشویکوں نے اور بھی زیادہ جوش و خروش سے نزدیکی علاقوں کے مفلس باشندوں کی توجہ اس ہوٹل کی طرف کھینچی۔ انھوں نے چھوٹے چھوٹے پرچے پھینکنے شروع کر دیے جن میں لکھا ہوتا:

"ہم وطن بھائیو! دلیر بنو۔ انصاف اور قوت تمھاری مدد کے لیے کھڑی ہے۔ خونی زار ملک عدم کو پہنچ چکا ہے۔ اس کے حواری اور خونخوار چیتے ملک بدر کر دیے گئے ہیں۔ اب صرف کسانوں اور مزدوروں کی فوج ہے جو تمھاری ہر آواز پر لبیک کہنے کو ہر وقت تیار بیٹھی ہے۔ زندہ باد روس کے حریت نواز سرخ سپاہی! زندہ باد بخارا کی انقلابی فوج۔"

انقلاب کی خون آشام لہریں بخارا کی فصیلوں سے ٹکرا رہی تھیں۔ امیر عالم خاں کو اپنا انجام پوری عریانی اور بے بسی کے ساتھ نظر آ رہا تھا۔ اس نے سب سے پہلے اپنے ذاتی خزانے کے بچاؤ کی تدبیر سوچی۔ اور برطانوی سفیر سے درخواست کی کہ وہ اس خزانے کو اپنے ملک میں منتقل کر لے۔ لیکن اس نے یہ کہتے ہوئے انکار کر دیا کہ اتنی گراں بہا (تیس کروڑ روپیہ) رقم کو حفاظت سے کہیں منتقل نہیں کیا جا سکتا۔ ذرا غور کیجیے ایک طرف مال و جان کی بازی لگی ہوئی ہے اور دوسری طرف سب سے پہلے اس کی فکر ہوتی ہے کہ کسی صورت میں سیم و زر بچ جائے۔ ایمان کا اس سے زیادہ انحطاط اور کیا ہو سکتا ہے!

۱۸/ اگست کو کمیونسٹ کارگذاروں کی مجلس منعقد ہوئی جس میں انھوں نے ہجومی حملے کا فیصلہ کیا۔

کئی شہروں کی حکومتوں کے عمال اور ملازمین حکومت کا پانسہ پلٹنے میں ان کی مدد کو تیار رہتے تھے۔ اس طرح بارہ دنوں میں انھوں نے پندرہ سے اوپر شہروں پر قبضہ کر لیا۔ اور جس جس شہر پر انھوں نے غلبہ پایا، انھوں نے سب سے پہلے علماء اور غیر بالشویکی خیال کے لوگوں کی جائدادیں ضبط کیں۔

آخری ساعت نزدیک پہنچ چکی تھی۔ بخارا کے اردگرد خندقیں کھد چکی تھیں۔ اور مسلمانوں کا یہ مرکز بھی اب بالشوزم کی بھینٹ چڑھا چاہتا تھا۔ بالشویکوں کے مفرط جوش کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ محاصرے کے دوران میں ہر روز شہر کے اندر مارکس کی تعلیمات کے پرچے پہنچ جاتے تھے۔ بالشویکی کمر ہمت باندھے ہوئے تھے اور سرخ فوجیں انقلاب کو ایک کنارے لگانے کے لیے بیقرار کھڑی تھیں۔ بخارا کے محاصرے کا حال ایک عینی شاہد G. Qmeliusty کی زبانی سنیے۔

"تیس اگست کی شام کو بخارا کا محاصرہ کیا گیا۔ بخارا جدید کی گلیاں اس وقت سیاہی اور سکوت میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ کبھی کبھار کوئی گھوڑ سوار تیزی سے گذر جاتا یا سرخ گشتی دستے ایک ساتھ قدم ملائے قریب سے نکل جاتے۔ بخارا کے دامن میں کھڑا ہوا ایک شخص با سانی امیر کی گارد کے بلند اور پرجوش نعرے سن سکتا تھا۔ لیکن اس کے باہر بالکل خاموشی تھی۔ اور اس وقت فوجی قانون سے پیدا کردہ سناٹے کو توڑنے والی کوئی چیز موجود نہ تھی۔ بیرونی سکوت اور اندرونی کشمکش برابر قائم تھے۔ لیکن اس اضطراب کو دیکھنے والا کون تھا جو فوجی اسٹاف اور پارٹی کمیٹی کے اندر تلاطم خیز تھا اور جسے کھڑکیوں کے پردے بیرونی نگاہوں سے چھپا رہے تھے۔ بایں ہمہ اضطراب اور کشمکش چھلک رہی تھی ـــــ دو ایک شہروں سے بغاوت اور ہلڑ کی اطلاعات موصول ہوئی تھیں۔ باغیوں نے چار جوئی قدیم پر قبضہ کر لیا۔ اور کرکی میں مقابلہ ابھی تک ہو رہا تھا۔ انقلابی دستوں کو شہر کے مفلسوں کی مدد حاصل تھی لیکن وہ مقہور لٹیرے بڑے ہی سخت جان تھے۔

"صورت حال سخت نازک تھی۔ بغاوت کے شعلے اگر اس وقت فرو نہ کیے گئے تو بخارا کا انقلاب ریت کے گھروندے کی طرح کھڑکھڑاتے نیچے آ رہے گا۔ انقلاب کی سختیوں اور منزل کو پانے کے عشق و عزم نے بالشویکوں کو سخت جان اور مضبوط کردار بنا دیا تھا۔ صعوبت کی کوئی بھی گتھی پیش آتی وہ صورت حال

کے ساتھ توافق پیدا کر لیتے۔ ایک گھنٹہ کے اندر اندر نواحی مزدور پارٹی کی فوج پہنچ گئی اور انھیں بغاوت کچلنے کے لیے روانہ کر دیا گیا۔

"بخارا پر حملے کی صورت اس طرح تھی کہ ایک دستہ فوج کا کوگن شہر کی طرف بڑھے (کوگن بخارا کے متصل واقعہ ہے) اور دوسرا ریلوے لائن کے کنارے کنارے جائے۔ حملے کا وقت ٹھیک چار بجے صبح مقرر کیا گیا۔ اور اس وقت تک تمام تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں۔ تجویز یہ تھی کہ دشمن پر اچانک چھاپا مارا جائے اس لیے ہر فعل اور قول انتہائی صیغۂ راز میں رکھا تھا۔

"ٹھیک اس وقت جبکہ گھڑی کی ایک سوئی بارہ پر تھی اور ایک چار پر، توپ نے اپنا پہلا گولہ پھینکا صبح کی ٹھہری ہوئی فضا گونج سے لرز اٹھی۔ بخارا کے انقلاب نے اپنے آنے کی اطلاع کر دی۔ گولہ ہوا کو چیرتا ہوا مٹی کی اس دیوار پر گرا جس کے پیچھے امیر کی گھوڑ سوار فوج کھڑی تھی۔ یکایک شہر کے شمالی گوشہ سے مشین گنوں نے اپنی گولیاں تڑاتڑ برسانی شروع کر دیں۔ جس کے فوراً بعد ہی رائفلوں کی تڑ تڑ سنائی دینے لگی۔ سرخ دستہ اس سیل کی طرح فصیل کی طرف بڑھا جو مدت سے رکا ہوا ہو۔ مقابلہ شدید تر ہوتا جا رہا تھا۔ امیر کے دستے مقابلے کی تاب نہ لا سکتے ہوئے بخارا قدیم کی طرف ہٹ گئے۔ کئی توپیں، بندوقیں، بارود کے ذخیرے اور قیدی سرخ فوج کے ہاتھ لگے۔ بخارا قدیم اور کوگن (بخارا جدید) کا درمیانی فاصلہ بھی چند لمحوں میں عبور کر لیا گیا۔ اور دوپہر کے قریب ہماری چند ٹولیاں بخارا قدیم کے مضافات میں لڑ رہی تھیں۔

"شہر پناہ کی بلند و عظیم دیواریں سامنے کھڑی تھیں۔ وہ اس جگہ پوری چھ صدیوں سے کھڑی تھیں۔ وہ سطح ارض سے ستر فٹ بلند تھیں اور ان کی مضبوطی کا یہ حال تھا کہ ہمارے گولے ان پر بالکل بے اثر ثابت ہوئے۔ ان دیو قامت دیواروں کے پیچھے دشمن (مسلمان) بالکل محفوظ و مامون تھا۔ بایں ہمہ اس کے بغیر چارہ نہ تھا کہ وہ ہر قیمت پر لی جائیں۔ دشمن پر دیواروں کی اہمیت پوری طرح واضح تھی اور وہ اپنے آپ کو حملے کے لیے پوری طرح سے تیار کر رہا تھا۔ انھوں نے شہر کا ایک ایک بچہ فوج میں بھرتی کر لیا۔

"ہاتھوں میں قرآن تھامے اور کپڑے پھاڑتے ہوئے ملا چلا رہے تھے۔ "خدا ان جدیدوں کو غارت کرے"۔ اور فصیل کے باہر سے نعرہ بلند ہوتا "انقلاب زندہ باد"۔

شہر کی دیوار میدان معرکہ بن گئی تھی۔ بارہا سرخ سپاہی ہلہ بول کر اوپر چڑھ گئے لیکن گولیوں کی ایک تند بوچھاڑ ان کا منہ پھیر دیتی۔ دیوار کے قریب ایک قبرستان تھا جو تھوڑے ہی عرصہ میں کئی ہاتھ بدل چکا تھا۔ بسا اوقات ایسا ہوا کہ شہر کے دروازے کھول دیے گئے لیکن "ملا" اور عوام "اللہ اکبر" کا نعرہ لگا کر توپوں کے دہانوں میں گھس جاتے۔

"امیر نے اپنی گھوڑ سوار فوج لے کر ہماری جنگ کا نقشہ بدلنا چاہا لیکن ناکام رہا۔ دوبارہ ہم نے شہر کے قارقلی دروازے میں داخل ہونا چاہا لیکن امیر کے سخت جان دیوانے سپاہی ہم پر ٹوٹ پڑتے۔ اور ہمیں اپنے مردوں کو بھی چھوڑ کر بھاگنا پڑتا۔ وہ رات اور دوسرا دن برابر لڑائی میں گزر گیا۔ اور لڑائی ایک لمحہ کے لیے بھی نہ تھمی۔ آگ کے شعلے لپک لپک کر آسمان کو چھو رہے تھے۔ اور رات کی سیاہی کے اندر توپوں کی گرج، مشین گنوں کی کرخت تڑ تڑ، زخمیوں کی چیخ پکار ایک قیامت کا سا منظر پیدا کر رہی تھیں۔

"ہمارے سپاہیوں کی صفیں خالی ہو رہی تھیں۔ اور ہمارے کئی محبوب دوست اس نبرد میں اپنی جانیں انقلاب کی دیوی کی نذر کر چکے تھے۔ ہمارا بارود کا ذخیرہ اب ختم ہو رہا تھا۔ لیکن دشمن بدستور مقابلہ پر ڈٹا ہوا تھا۔ پھر تیسرا دن بھی یونہی گزر گیا۔ رات کو لڑائی کچھ وقت کے لیے رک گئی لیکن زیادہ شدت کے ساتھ جاری ہونے کے لیے۔ اب ہم میں سے ہر ایک کے ذہن میں یہ سوال ایک ببلے کی شکل میں ابھر رہا تھا، اگر ہم نے تیسرا دن بھی یونہی ضائع کر دیا اور محصورین نے ہمیں قدم ہٹانے پر مجبور کر دیا تو پھر بخارا ہمارے ہاتھوں سے کئی برسوں کے لیے نکل جائے گا۔ اور ہمارے دشمنوں کی ہمت پھر جوان ہو جائے گی۔

"ہم نے ایک آخری سر دھڑ کی بازی لگائی اور اس شدت سے حملہ کیا کہ ہم نے اپنے بڑے قیمتی جرنیلوں کی جانیں بھی اس میں لگا دیں۔ ہم نے توپوں کو دیواروں کے عین قریب نصب کر دیا۔ اور اس زور سے گولہ باری کی کہ دیواروں میں شگاف ہو گیا۔ ہماری صفوں سے خوشی کا ایک فلک شگاف نعرہ بلند ہوا۔ ہمارے دو جانباز دستے شگاف کے راستے شہر میں داخل ہو گئے۔ اب گلیوں کے اندر دست بدست لڑائی شروع ہو گئی۔ ہمارے دستے بڑھتے چلے جا رہے تھے۔ گلیوں میں مکانوں کے

اوپر سے کھولتے پانی کے دھارے گرے، دستی بم برسے، گولیوں کی بارش ہوئی لیکن ہم نے قدم پیچھے نہیں ہٹایا۔

"ہم بڑھتے ہوئے شہر کے شمالی گوشے میں پہنچ گئے۔ یہاں تک پہنچتے پہنچتے دشمن بالکل تھک گیا تھا۔ اور جب ہمیں وہ دستہ بھی مل گیا جس کو ریلوے لائن کے راستے داخل ہونا تھا تو لڑائی بالکل ہی ختم ہو گئی۔ اس کے ساتھ ہی ہمیں اطلاع ملی کہ امیر بخارا اپنے ساتھیوں سمیت فرار ہو گیا۔"

۲۴ مارچ ۱۹۲۱ء کو بخارا کی حکومت سوویٹ ری پبلک آف بخارا بن گئی۔ ارکان حکومت سب مقامی تھے۔ معاہدہ کی رو سے بخارا کی سوویٹ روس کی سوویٹ فیڈریشن سے منسلک ہو گئی۔ دونوں ری پبلکوں نے ایک دوسرے کی مدد کا عہد کر لیا جس کے ایفا کے لیے روس کی طرف سے فوری اقدام اٹھایا گیا۔ اور بخارا کے لیے اپنے انجینیر، مستری، کانیں دریافت کرنے والے ماہرین، سوداگر اور تجارت کو فروغ دینے والے بیوپاری، فوجی تربیت دینے والے سپہ سالار، اسکول ماسٹر مع جدید نصاب تعلیم، زبان و ادب کے ماہر اور پریس بھیج دیے۔ اللہ کے فضل سے اب بخارا ترقی کی نئی شاہراہ پر گیٹ گامزن تھا۔

اب ذرا حکومت کی سن لیجیے۔ سب سے پہلے بالشویکوں نے علماء اور بالشوزم کے مخالف مسلمانوں کی جائدادیں ضبط کیں، پھر ان کو ووٹ دینے کے حق سے محروم کیا۔ زمین کی خرید و فروخت کا معاملہ حکومت نے اپنے اختیار میں لے لیا۔ اور روس کے ساتھ تجارتی تعلقات استوار کیے گئے۔

حکومت کے ارکان منتخب ہو گئے۔ سوویٹ (مجلس شوریٰ) بن گئی۔ اب فکر ہوئی کہ جس انقلاب کے نام پر ساری تباہی و غارت گری ہوئی اس کو کیوں کر معرض عمل میں لایا جائے۔ مختلف آرا سرگرم بحث ہو گئیں۔ اشتراکیت کا حسین تصور اب حقیقت کی کسوٹی پر آیا۔ اب سوشلزم کے معانی چھٹنے لگے اور ان کی تشریحیں اور تفسیریں پھیلنے لگیں۔ مارکس کا ایک فقرہ جو اس نے "تنقید سیاسی اقتصادیات" کے دیباچہ میں لکھا تھا ہر کمیونسٹ کی زبان پر چڑھ گیا۔

"کوئی مجلسی نظام اس وقت تک معدوم نہیں ہوتا جب تک کہ تمام پیداواری قوتیں اپنے نقطہ کمال تک نشو و نما پا جائیں۔ اور پیداوار کی نئی قوتیں اسوقت تک ظہور میں نہیں آتیں جب تک کہ ان کی

زیست کے مادی اسباب پرانے نظام کے رحم میں پرورش پانا شروع نہ کر دیں۔"

تاریخ کا یہ اٹل قانون جو مارکس کے قلم سے ٹپک گیا تھا بھلا کمیونسٹ پیچاروں کی کیا بساط جو اسے بدل سکتے۔ ان کے نزدیک حقیقت وہی ہے جو مارکس کہہ گیا ہے۔ اب بڑی دقت پیش آئی۔ بخارا کے حالات میں ان شروط و اسباب کا ہلکا سا سراغ بھی نہ ملتا تھا۔ کتاب کا مصنف لکھتا ہے۔ "امیر کے ماتحت بخارا اپنے ابتدائی دور سرمایہ داری میں تھا۔" (۱۲۰ ص) یہ دیکھ کر کچھ کمیونسٹ کھسکنے شروع ہو گئے۔ بالشویکوں نے فوراً خلیفہ اول لینن کا یہ بیان پڑھ کر سنا دیا:

"آپ کہیں گے کہ نہیں اشتراکیت کے انعقاد کے لیے تمدن کی ایک خاص حالت ضروری ہے۔ بہت خوب! پھر ہم تمدن کی وہ خاص حالت پیدا کرنے کے لیے کیوں نہ جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کو نیست و نابود کر دیں، اور اشتراکیت کی طرف بڑھ جائیں۔ یہ کہاں لکھا ہوا ہے کہ اس قسم کی ترمیم تاریخی نظام یا قانون میں ناقابل ترویج یا ناممکن ہے۔"

کسانوں اور مزدوروں کا وہ طبقہ جو انقلابیوں کے ساتھ مل کر انقلاب کو لایا۔ اس بات کا خواہاں تھا کہ زمین کی تقسیم کے وہ خواب جو بالشویکوں نے انھیں دکھائے تھے پورے ہوں۔ لیکن یہ خیال حقیقت کا جامہ نہ پہن سکا۔

"بہت سی مساعی ناکام رہیں ـــــ عوام ایک ایسا زرعی انقلاب دیکھنے کے لیے تڑپ رہے تھے جس میں تمام زمینوں کو غریب طبقہ میں بانٹ دیا جاتا۔ اشتراکیت کے خواب کی یہی تعبیر ان کے لیے باعثِ اطمینان ہو سکتی تھی۔ لیکن انقلاب کی پیچیدہ صورت اور انقلابی لیڈروں کی کم فہمی اور ناتجربہ کاری کی وجہ سے اس خیال کو بالکل ترک کر دیا گیا ـــ حتیٰ کہ وہ پروگرام جو آغاز عہد میں سوچا گیا تھا وہ بھی محض قرطاس ہی پر اپنی جگہ پا سکا۔" (۲۳ ص)

چنانچہ ۱۸ اگست ۲۲ء کو جائداد منقولہ و غیر منقولہ کے بیع و شرا کی کھلم کھلا اجازت دے دی گئی اور سوویٹ بخارا میں لوگ جائداد کو اس طرح لے دے سکتے تھے جس طرح اس سے قبل وہ "بورژوا" حکومت میں کرتے تھے۔

نظریے اور عمل کا یہ خلا پھر بھرا نہ جا سکا۔ اشتراکیوں کے وہ نعرے جو بخارا کی فصیلوں کے نیچے گونجتے تھے اب ایک گنبد کی آواز بن کر رہ گئے۔ محمد خدیو، عثمان خدیو اور عارف بڑے سرگرم اشتراکی اور حکومت کے رکن تھے، یہ صورت حال دیکھ کر بددل ہو گئے۔ ان کا بددل ہونا تھا کہ ان پر فوراً غداری کا الزام لگا کر مجرم قرار دے دیا گیا۔

۱۹۲۱ء میں کمیونسٹ پارٹی کے ارکان کی تعداد چودہ ہزار تھی۔ ۱۹۲۲ء میں گھٹ کر دس ہزار رہ گئی جو آہستہ آہستہ کم ہوتے ہوتے ایک ہزار تک پہنچ گئی۔

ضعف ایمان کے باوجود مسلمانوں پر روز بروز الحاد و زندقہ کا بڑھتا ہوا طوفان زیادہ واضح ہوتا گیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ بلا جرم ضعیفی کی پاداش میں ان پر نازل ہوئی تھی لیکن جب وہ آئی تو جن کے سینے میں حب خردل کے برابر بھی ایمان تھا اس کا آخری دم تک مقابلہ کرتے رہے۔ بخارا کی نئی حکومت کا بننا تھا کہ علماء نے زور شور سے اپنی تبلیغ جاری کر دی۔ انھوں نے اپنی جانیں ہتھیلی پر رکھ لیں اور بخارا کے اردگرد گوریلا جنگ جاری کر دی۔ انھوں نے نواحی علاقوں کے تمام قبائل میں بےچینی اور تڑپ پیدا کر دی۔ تمام قبائل نے متحد ہو کر بالشوزم کے مقابلے کی ٹھان لی۔ ابراہیم بیک جو ایک مشہور دلیر اور جری جوان تھا، ان کا رہنما بن گیا۔ اب آئے دن بخارا اور اس کے قریبی علاقوں پر حملے ہونے لگے۔ ان ترکتازیوں نے ان کی ایسی دھاک بٹھا دی کہ وسطی ایشیا کے تمام وہ قبیلے جو ابھی تک بڑھتی ہوئی بالشویکی قوت کو سہمی ہوئی نظروں سے دیکھ رہے تھے، دلیر ہو گئے۔ اور ان علماء اور مسلمان گوریلا گروہوں کی مدد پر کمربستہ ہو گئے۔

امیر عالم خاں بخارا سے سیدھا افغانستان پہنچا جہاں اس نے مسلمانوں کی حالت کا پورا نقشہ ان کے سامنے پیش کر کے وہاں کے لوگوں سے ان بے یار و مددگار مسلمانوں کی مدد کے لیے اپیل کی اور زندقہ کے اس بڑھتے ہوئے سیلاب سے آگاہ کیا۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ جونہی افغان عوام پر اصل حالات کھلے وہ گوریلا گروہوں کی یلغاروں میں شامل ہونے کے لیے پہنچنے لگے یہاں تک کہ سرخ فوج سے ان لوگوں نے دو ایک شہر بھی واپس لے لیے۔

سقوط بخارا کے بعد تاجکستان کے مسلمانوں نے بڑا شور و غوغا بلند کیا۔ بخارا کے نواحی علاقوں میں غم و غصہ کی ایک لہر پھیل گئی۔ انہی دنوں خوش قسمتی سے مشہور ترکی لیڈر انور پاشا گوریلا گروہوں کی قیادت کے لیے آن موجود ہوا۔ ترکی انقلاب کے بعد جب انور پاشا نے مصطفےٰ کمال کو اپنا ایک جانی دشمن پایا اور اس کی بڑھتی ہوئی قوت نے اس کو میدان سیاست سے کنارہ کشی پر مجبور کر دیا تو انور پاشا وہاں سے جرمنی آگیا۔ جب اس جگہ بھی اس کو سکون نہ ملا تو ماسکو پہنچا۔ بالشویکی انگریزوں کے سخت مخالف تھے۔ انور پاشا اس انگریز دشمنی میں بالشویکوں کا ہمنوا تھا۔ چنانچہ باکو کی مؤتمر میں اس نے بالشویکی ہمت کی داد دی۔ سوشلزم کی تعریف اور انگریزی ملوکیت کی مذمت کی۔ لیکن انور پاشا کی اس حمایت پر بالشویکوں کو اعتماد نہ ہوا۔ ترکی کی طرف سے انور پاشا نے دست رفاقت بڑھایا لیکن اس کی زوال پذیر قوت بالشویکی حکومت کی نظروں میں کچھ وقعت نہ حاصل کر سکی۔ ان کے لیے صرف مصطفےٰ کمال کے وعدے ہی کچھ باعث اطمینان اور وقیع ہو سکتے تھے۔ جب مصطفےٰ کمال نے ان کی طرف دوستی کی سنگینیں بڑھائیں تو انھوں نے اس کے ایماء پر انور پاشا پر کڑی نگرانی بٹھا دی۔ انور پاشا کی پوزیشن بڑی نازک تھی۔ وہ اپنا وقار کھو چکا تھا ہی جو کسی حکومت کی پشت پناہی سے حاصل ہوتا ہے۔ ترکی اب "جوانان ترکی" کے ہاتھوں میں جا چکا تھا۔ اب اس غریب کے پاس کیا دھرا تھا؟ لیکن اس کے باوجود انور پاشا کے جلال، اس کا عزم اور اس کی باغیانہ ہیبت سب کے دلوں پر طاری تھی۔ اس نے سوشلزم کی تائید شروع کر دی جس سے بالشویکی پھر سوچ میں پڑ گئے۔ اس نے بخارا میں قیام کرنے کی خواہش ظاہر کی اور وہاں جا کر سوشلزم کے حق میں ایک آدھ بیان بھی دیدیے اور تقریر بھی کر دی۔ اس سے بالشویکی کچھ اسقدر مطمئن ہو گئے کہ بخارا کی حکومت نے اس کو سرخ فوج منظم کرنے کی پیشکش کر دی۔ انور پاشا نے اس پیشکش کو منظور کر لیا۔

اس دوران میں اس نے دردمند مسلمانوں کی تلاش شروع کر دی۔ جلد ہی اسے ایک مسلمان بالشویک لیڈر مل گیا۔ اس کے کچھ دن بعد ہی بخارا ری پبلک کی مرکزی مجلس عاملہ کا صدر عثمان خدیو چھ سو سپاہیوں سمیت اس کے ساتھ مل گیا۔

موقعہ پا کر انور پاشا بخارا سے فرار ہو کر تاجکستان پہنچ گیا جو گوریلا گروہوں کا مرکز بنا ہوا تھا۔

عثمان خدیو بھی اپنی فوج سمیت آن ملا۔ وہاں سے انھوں نے ایک منشور شائع کیا جس میں انھوں نے بالشویکوں کی اسلام دشمنی اچھی طرح آشکارا کی۔ اس اعلان کے بعد وہ بے ہوئے مسلمان بھی باہر نکل آئے اور جوق در جوق انور پاشا کے جھنڈے کے نیچے جمع ہونے لگے۔ مسلمانوں کی زبوں حالی اپنی آخری حد کو پہنچ چکی تھی۔ مسلمان روز بروز لامذہبیت کی طرف لڑھکتے چلے جا رہے تھے۔ طلائی ٹکلیوں کی چمک ان کی آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھی۔ اور سچ تو یہ ہے کہ جب تک مذہب اپنی سچائی کسی انسانی جماعت کی صورت میں ظاہر نہیں کرتا اس وقت تک عامۃ الناس مطمئن بھی نہیں ہوتے۔ محض قرطاس کے اوپر لکھی ہوئی سچائی کو صدق دل سے ماننے والے اور اس سے مطمئن ہونے والے بہت تھوڑے ہوتے ہیں۔ اسلام حق تھا لیکن اس کو اپنے اعمال کی تصویر میں اتارنے والے لوگ نہیں تھے۔ بالشوزم محض جھوٹ تھا۔ لیکن اس کو حقیقت کا جامہ پہنانے والے موجود تھے۔

انور پاشا نے بالشویکوں سے ایک شہر بھی خالی کروالیا۔ پھر انور پاشا اور ان لوگوں نے جو بالشوزم سے منحرف ہو چکے تھے، بخارا کے کمیونسٹ مسلمانوں کے نام ایک خط لکھا۔

"ہمارا اسلام قبول ہو۔ خدا کے فضل و کرم سے ہم خیریت سے ہیں۔ آپ کا بے معنی خط ملا۔ آپ کی عنایت کا شکریہ۔ اپنے خط میں آپ نے تحریر کیا ہے۔" آغاز تحریک ہی سے آپ نے انقلاب بخارا کے لیے تمام مساعی وقف کر دی تھیں، اور عین اس وقت جب کہ ہم آپ کو اس خدمت کے صلے میں ایک بہت بڑا فوجی عہدہ پیش کرنے والے تھے کہ آپ غیر ذمہ دار لوگوں کے ہمتے چڑھ گئے اور ہمیں چھوڑ گئے۔ پھر لوٹ آئیے۔ آپ کی تمام خطائیں معاف کر دی جائیں گی۔" آپ کی ایسی نظر عنایت واقعی حیرت کن ہے۔ لیکن ہمیں بتائیے۔ کیا یہ آپ لوگ ہی نہ تھے جنھوں نے روس کے بالشویکوں کی مدد سے سرزمین بخارا کو تاخت کیا، بے گناہ انسانوں کے خون کی ندیاں بہا دیں اور ان کے ہاتھوں سے بچا کھچا مال و متاع بھی چھین لیا؟ کیا یہ آپ ہی نہ تھے جنھوں نے ہمارے مقدس مقامات، مسجدیں اور مدرسے اپنے پائوں تلے روند ڈالے، اور ہمارے مفلس لوگوں کو بورژوا اور جاگیردار بنا کر ان کی زندگیاں اور جائدادیں لوٹ لیں؟ اور کیا یہ آپ ہی نہ تھے جنھوں نے اپنے دین کو ترک کیا اور بالشوزم اور کمیونزم

کو قبول کیا؟

محض روٹی کے ٹکڑے کے لیے تم نے ملعون روسیوں کے ہاتھوں اپنا دین، اپنا ایمان، اور اپنا ضمیر فروخت کر دیا۔ تم آزادی اور حریت کے پرچم لہراتے ہوئے آئے اور بخارا کی فصیلوں پر چڑھ گئے اب بتاؤ وہ آزادی کہاں ہے؟ بخارا پر ادبار، ہلاکت کی گھٹائیں چھا رہی ہیں۔ فاقہ و افلاس کی آندھیاں چل رہی ہیں۔ اس حقیقت حال کو دیکھ کر عثمان خدیو، جو تمہاری مجلس عاملہ کا صدر اور انقلاب کا داعی تھا منقلب ہو گیا۔ وہ اس جھوٹے جوئے کو اپنی گردن پر اٹھانے کے لیے تیار نہ تھا۔ میں چونکہ اپنی مادر وطن کا فرزند ہوں ملک کی ترقی اور مفاد کے لیے لڑتا رہا ہوں اور آئندہ بھی لڑوں گا حتی کہ روسی بالشویکوں اور تمہارے جیسے غداروں سے وطن کی مقدس سرزمین پاک کر دوں۔

بخارائے عظیم کا ایک فرزند بھی جو اپنی قوم کا صحیح بہی خواہ ہے تمہارے مکروہ خیالات کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں، اپنی عزت اور ضمیر بیچنے کو تیار نہیں۔

آج ہماری آنکھیں بخارا کے ڈیڑھ لاکھ انسانوں کو شہر پناہوں کے اندر اور پہاڑوں کی وادیوں میں اپنی شمشیریں جھنکارتے اور دشمنان ملت سے نبرد آزما ہوتے دیکھ رہی ہیں۔ اے کمیونسٹو! ہم اپنے ملک کے سچے فرزندوں کے پہلو بہ پہلو لڑیں گے حریت اور ترقی کے لیے۔ ہم بھرتی کے سپاہی نہیں بلکہ صحیح معنوں میں خدام قوم ہیں۔ ہم اپنے ملک کو عنقریب روس سے گلو خلاصی دلانے والے ہیں۔ خدا کے فضل و کرم سے ہمارا مسلک اور عقیدہ سچا ہے اور ہمارا نصب العین خالص ہے۔ اطراف و اطراف سے اس وقت مسلمان ہتھیار بند ہو کر ہماری مدد کو آ رہے ہیں تاکہ اسلام اور مسلمانوں کو نجات دلائی جائے۔ .... اگر تم اسلام کے سپاہی بننا چاہتے ہو تو ان روسیوں کو مادر وطن سے نکالنے میں ہمارا ساتھ دو۔ بس ہماری یہی خواہش ہے۔"

انور پاشا نے نہایت محنت اور جانفشانی سے تمام قبائل کو جس لڑی میں پرو دیا تھا افسوس کہ وہ اس میں منسلک نہ رہ سکے۔ وقتی جوش و خروش بغیر سیرت کے کچھ نتیجہ خیز نہیں ہوتا۔ اندرونی خلفشار اور رقابتیں پھر ابھرنے لگیں۔ ابراہیم بیک، جو انور پاشا کی آمد سے قبل گوریلا گروہوں کا قائد تھا، انور پاشا کے خلاف

زہر اگلنے لگا۔ اس نے ایران کے ساتھ ساز باز شروع کر دی اور انور پاشا کے خلاف اس کے کان بھرنے شروع کر دیے۔ اگرچہ امیر عالم خان ابراہیم بیگ کو بار بار انور پاشا کی اطاعت کی تلقین کرتے لیکن بالآخر خود اس کا دل بھی ڈانواں ڈول ہو گیا۔ پھر ابراہیم نے فوجوں میں بددلی اور بدنظمی پھیلانی چاہی تو انور پاشا نے اسے پانچ دن تک قید میں ڈالے رکھا یہاں تک کہ وہ معافی مانگنے پر مجبور ہو گیا۔

ادھر بالشویکی ان گوریلا گروہوں میں بدنظمی پھیلانے کی کوشش کر رہے تھے۔ انھوں نے اس کام کو سرانجام دینے میں دامے درمے سخنے ہر صورت کوشش کی۔ ان کی بیرونی سازشیں اس لیے کامیاب نہ ہو سکیں کہ انور پاشا اس میدان کا شاہسوار تھا۔ مگر داخلی بدنظمی اور تفرقہ اس کے بس کا روگ نہ تھا۔ ابراہیم اپنی فوجیں لے کر سوکائی آ گیا جہاں اس نے بڑی آزادی کے ساتھ انور پاشا کے کام میں روڑے اٹکانے شروع کر دیے۔ ایک اور بڑا سردار حنیف اللہ بھی الگ ہو گیا۔ اب انور پاشا تھا اور سرخ فوجوں کا دباؤ۔ اس نے اپنی باقی ماندہ قوت جمع کی اور افغانستان کی سرحد کے قریب ڈیرے ڈال دیے تاکہ اگر کسی وقت اعانت کی احتیاج ہو تو ادھر سے مل سکے۔

۴ اگست ۲۲ء کا ذکر ہے۔ بالجوان اور خوزتنگ کی پہاڑیوں کی درمیانی وادی میں انور پاشا ایک بڑے اجتماع میں تقریر کر رہا تھا کہ سرخ فوجوں کا ایک دستہ اس کی تلاش میں وہاں پہنچ گیا۔ اب سوائے لڑائی کے اور کوئی چارہ نہ تھا۔ ایک خونریز جنگ چھڑ گئی۔ انور پاشا اور اس کے ساتھی بڑی جانبازی سے لڑتے مارے گئے۔ انور پاشا کے ہتھیار اور وردی اب تک تاشقند کے عجائب گھر میں محفوظ ہیں لیکن اس کی پکار گم ہے۔

(باقی)